Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities

(Bi-Annual) Trilingual: Urdu, Arabic and English

ISSN: 2707-1200 (Print) 2707-1219 (Electronic)

Home Page: http://www.arjish.com

Approved by HEC in "Y" Category

Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.

Published by the Al-Khadim Foundation which is a registered organization under the Societies Registration ACT.XXI of 1860 of Pakistan

Website: www.arjish.com

Copyright Al Khadim Foundation All Rights Reserved © 2020

This work is licensed under a

Creative Commons Attribution 4.0 International License

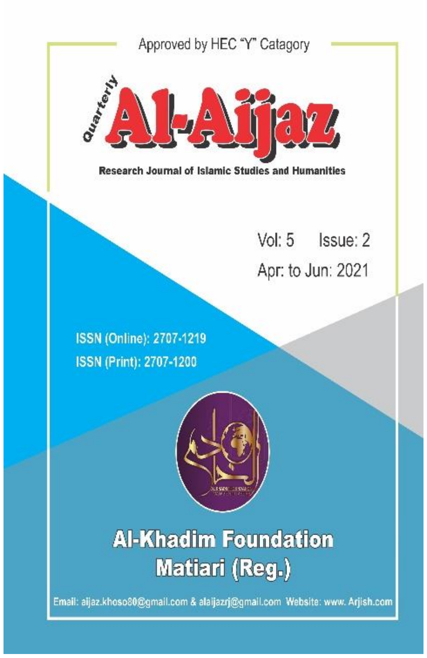

TOPIC:

Social and Economical Influences of Tafaseer of Sub-Continent Ulama

AUTHORS:

1. Muhammad Tufail Sajjid, Ph.D scholar, Imperial College of Business Studies, Lahore.
2. Muhammad Kareem Khan, Assistant Professor, Department of Uloom Islamiya, Imperial College of Business Studies, Lahore.

How to cite:

Malik, T. S., & Khan, M. K. (2021). Urdu-29 Social and Economical Influences of Tafaseer of Sub-Continent Ulama. *Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities*, *5*(2), 395-415. https://doi.org/10.53575/Urdu29.v5.02(21).395-415

URL: http://www.arjish.com/index.php/arjish/article/view/317

QR Code

Vol: 5, No. 2 | April to June 2021 | Page: 395-415

Published online: 2021-06-20

علمائے برصغیر کی تفاسیر کے سماجی و معاشی اثرات(۱۸۵۷ءسے۱۹۴۷ء)

(Social and Economical Influences of Tafaseer of Sub-Continent Ulama)

Muhammad Tufail Sajjid*
Muhammad Kareem Khan**

Abstract
People of South Asia (Indian Subcontinent) faced a threatening situation after their defeat at the hands of British in 1857 in social, religious and economical fields. Especially, Muslims received irreparable setback, as they were held accountable for the war. The post 1857 period post many challenges which were multifarious in nature including the loss of political power, the ruin of their economic basis and a threat to annihilation of Islamic culture both material and non-material. The Muslims scholars and Ulama felt the intensity of these challenges deeply. They purified the minds of Muslims with their written Islamic Literature and influence their mind-set and thoughts. Especially, the Urdu translations of Holy Quran and Tafaseer along with the Islamic Books contributed a lot in the fields of theology, History, Education, Politics, Culture, Economics, Islamic Jurisprudence and Quranic exegesis along with authentic Muslim traditions. This paved the way of freedom for the Muslim of subcontinent. In the proposed paper, an effort will be made to discuss the social and economical influences of Tafaseer during 1857 to 1947 on the Muslims of Subcontinent.
Keywords: Subcontinent, threatening situation, social, economical, accountable, Islamic culture, influenced, Quranic exegesis.

تعارف موضوع:

جنوبی ایشیا(برصغیر)کے لوگوں نے ۱۸۵۷ء میں برطانیہ کے ہاتھوں اپنی شکست کے بعد سماجی مذہبی اور معاشی میدانوں میں خوفناک صورت حال کا سامنا کیا۔خاص طور پر مسلمانوں کو ناقابل یقین دھچکا لگا کیونکہ انہیں جنگ کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔۱۸۵۷ء کے بعد کے عرصے میں ایسے چیلنجز پیش آئے جو اپنی نوعیت میں کثیر الجہتی تھے۔جس میں ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ،ان کی مادی و غیر مادی معیشت اور اسلامی ثقافت کی تباہی تھی۔برصغیر کے مسلمان علما اور مفکرین نے ان چیلنجز کی حساسیت کو گہرائی سے لیا۔انہوں نے مسلمانوں کے دماغوں کو اپنے اسلامی ادب سے مصفا کیا اور ان کی ذہنی حالت اور خیالات کو بھی متاثر کیا۔خصوصاً قرآن پاک کے تراجم، تفاسیر اور اسلامی کتب کا الٰہیات، تاریخ، تعلیم، سیاست، ثقافت، معیشت، اسلامی فقہ اور قرآنی تشریحات اور مستند مسلم روایات میں ان کا بڑا حصہ ہے۔اس سے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے آزادی کی راہ ہموار ہوئی۔اس مضمون میں علمائے برصغیر کی تفاسیر کے سماجی و معاشی اثرات پر بحث کی جائے گی۔

برصغیر کی تعریف:-

برصغیر کے معنی چھوٹا خشک علاقہ یا زمین کا ٹکڑا۔لفظ صغیر عربی سے ہے براعظم ایشیاء میں ایک بڑا جزیرہ نما خطہ ہے جو بحر ہند کے شمال میں ہے۔اس خطے کو برصغیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جغرافیائی اور علم ارضیات کے مطابق براعظم کے دیگر علاقوں سے مختلف ہے۔(۱)

* Ph.D scholar, Imperial College of Business Studies, Lahore.
** Assistant Professor, Department of Uloom Islamiya, Imperial College of Business Studies, Lahore.

تفسیر کی تعریف:-

تفسیر کی لفظ قرآن پاک کی تشریح و توضیح کے لئے مخصوص ہے۔علامہ آلوسی کے مطابق

''هو علم يبحث فيه عن كيفيبة النطق بالفاظ القرآن، و مد لو لا تها، و احكاميها الافرادية والتركيبية، و معا نيها التى تحمل عليها حالة التركيب، و تتمات لذلک''

وہ علم ہے جس نے قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی کے طریقے اور ان کے مفہوم اور ان کی افرادی اور ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہو جو ان الفاظ سے جوڑنے کی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں اور ان معانی کا تکملہ جو ناسخ و منسوخ اور شان نزول اور غیر واضح مضمون کی وضاحت میں بیان کیا جائے۔(۲)

موضوع کی ضرورت واہمیت

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر انگریزوں کی عمل داری میں چلا گیا۔انگریزوں کو اپنی عمل داری کو مضبوط کرنے کے لئے جس سہارے کی ضرورت تھی اسے ہندو قوم نے بخوبی نبھایا۔نتیجتاً مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی۔انگریز یہ جانتا تھا کہ جذبہ جہاد مسلمانوں کی زندگیوں کا ایک اہم عنصر ہے۔عطش درانی کے مطابق :

''اسلام کسی ایسی ملت کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد لاالہ الا اللہ کے سوا کسی دوسرے اصول پر رکھی گئی ہو۔اس لئے اسلام نسل، زبان، خطہ، زمیں، قوم، یا قومیت جیسے مفادات کو ملت کے مقابلے میں تسلیم نہیں کرتا۔''(۳)

اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو سماجی، مذہبی اور معاشی لحاظ سے پسماندگی کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ایسے حالات میں علمائے برصغیر نے اپنی تفسیروں کے ذریعے اس قوم کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی۔اس حوالے سے یہ مضمون انتہائی اہم ہے۔

موضوع کی غرض وغایت

اسلام کی بنیاد قرآن حکیم ہے۔یہ سرزمیں عرب پر نازل ہوا اور اس نے اپنی ضوفشانیوں سے اس کو منور کیا۔جب اسلام سرزمین عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہوا تو ان لوگوں کو اس کی بہتر تفہیم کے لئے اپنی زبانوں میں تراجم و تفاسیر کی ضرورت محسوس ہوئی۔برصغیر پاک و ہند میں اس کی ابتدا شاہ ولی اللہؒ قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کر کے کی۔قرآن لوگوں کی زندگیوں میں تبھی اثر انداز ہوتا جب لوگوں کو اس کا فہم حاصل ہوتا۔شاہ ولی اللہؒ کے بعد ان کے فرزند شاہ عبدالقادر نے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا۔دراصل برصغیر میں مطالعہ قرآن اور اس کے فہم کا رجحان ہر عہد میں قابل رشک رہا ہے۔قرآن کی رہنمائی اور اس کی تفاسیر سے علمائے برصغیر نے یہ کوشش کی کہ اس پٹی ہوئی مفلوک الحال اور صراط مستقیم سے گم گشتہ قوم راہے راست پر ڈالا جائے۔ان کی اسی کوشش کو آفرین کہنے کے لئے یہ مضمون تحریر کیا جارہا ہے۔

سبب اختیار موضوع

آج اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ براعظم ایشاء میں عمومی طور پر اور برصغیر پاک و ہند میں خصوصی طور پر اسلام اپنی پوری شناخت کے ساتھ کھڑا ہے۔ جب بھی کبھی ضرورت پڑی حق کی آواز اور شہادتوں کا آغاز برصغیر ہی سے ہوا۔ بلاشبہ برصغیر کے علمائے کرام نے اسلام کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر دینی غیرت و حمیت کا ثبوت دیا۔ اپنی تحریروں سے اسلام کی عظمت کو چار چاند لگائے اور سماجی و معاشی حالت کو سنوارنے کے لئے مینارہ نور ثابت ہوئے۔ علمائے کرام کی تفاسیر نے وقت کے الحادی طوفانوں کے سامنے بند باندھے اور ان کے اعتراضات کا دلائل کے ساتھ جواب دیا۔ مفسرین کی تفاسیر کے مثبت یا منفی اثرات کا جائزہ لینے کے لئے یہ موضوع اختیار کیا گیا تا کہ آئندہ آنے والے محققین اور امت مسلمہ کے سنجیدہ نوجوان ان سے بخوبی آگاہ ہو سکیں۔

منہج تحقیق

مضمون بیانیہ، تاریخی، استنباطی اور تجزیاتی تحقیق پر مشتمل ہو گا۔

"علمائے برصغیر کے تفاسیر کے سماجی و معاشی اثرات" پر ہونے والے کام کا جائزہ

۱۔ برصغیر میں اسلام اور دیگر مذاہب کی فکری کشمکش ۱۸۰۰ تا قیام پاکستان

یہ مقالہ غلام علی خاں کا ہے اس میں علمائے برصغیر کی تفاسیر کے اثرات پر سیر حاصل گفتگو نہ ہے۔

۲۔ مسلم بنگال کے علماء کی تفسیری خدمات

یہ مقالہ محمد عبداللہ کا ہے اس میں سے بنگال کو ہی زیر بحث رکھا گیا ہے۔ تفاسیر کا ذکر تو ہے لیکن ان کے سماجی اور معاشی اثرات کا ذکر نہ ہے۔

اس کے علاوہ شخصیات اور ان کے انفرادی علمی کمالات پر مقالہ جات تحریر کیے گئے ہیں۔

۱۔ برصغیر کے تفسیری رجحانات۔۔۔ تفسیر بالرائے

یہ آرٹیکل (فکر و نظر) اسلام آباد جلد ۳۸ شمارہ ۲ میں طبع ہوا۔ یہ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے تحریر کیا۔ اس میں تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ برصغیر میں تفسیر بالرائے پر جو تفاسیر لکھی گئیں ان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ان پر تنقید تو بیان ہوئی ہے لیکن اثرات کا ذکر نہ ہے۔

۲۔ بیسویں صدی کے اردو تفسیری مکاتب فکر اور حدیث کی استدلالی حیثیت (ایک مطالعہ)

یہ آرٹیکل ڈاکٹر اصغر علی خاں نے تحریر کیا ہے۔ اس میں بھی اردو تفاسیر کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور حدیث کی حجیت کو بیان کیا گیا ہے لیکن تفسیروں کے اثرات کے بارے میں کوئی بحث نہ ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے اسباب و نتائج

ہندوستانیوں کی انگریز کے خلاف پہلی آزادی کی مسلح جنگ کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔ عموماً اس کے دو سبب بیان کیے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے اور کئی ریاستیں یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں عیاری، دھوکہ دہی اور مقامی ضمیر فروش

راجاؤں اور حکمرانوں کی مدد سے شامل کر لیں تھیں۔ جس کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دل میں کمپنی کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہو گئے۔ دوم یہ کہ ان دنوں جو کارتوس فوجیوں کو استعمال کے لئے دیئے جاتے تھے وہ سور اور گائے کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے اور انہیں استعمال سے پہلے دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ ہندو اور مسلمان فوجیوں نے اسے اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے ہوئے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں ان کی وردیاں اتروا کر بیڑیاں پہنادی گئیں۔ ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا گیا اور انہیں قید کر دیا گیا۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ایک بڑی وجہ سماجی، معاشرتی و معاشی بدحالی تھی۔ انگریز حکمران یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کی حکومت کو خطرہ اگر ہے تو مسلمانوں سے، لہٰذا وہ انہیں ہر طرح سے کچلنے کے لیے کوشاں تھے۔ مسلم معاشرہ و معیشت کی تباہی اسی پروگرام کا ایک حصہ نظر آتی ہے۔ لہذا انگریز نے جب برصغیر پر مکمل قبضہ کر لیا تو اس کا اثر براہ راست مسلمانان ہند کی سیاسی حیثیت پر ہی نہیں ہوا بلکہ ان کی معیشت و معاشرتی تنظیم بھی بری طرح متاثر ہوئی۔ بنگال و بہار کے مسلم زمینداروں کو ختم کیا جا چکا تھا۔ بنگال میں ۱۸۱۹ء میں مغل شہنشاہوں کی دی ہوئی تمام جاگیریں وزمینیں ضبط کر لی گئیں۔ جہاں ۹۵ فیصد مسلم زمیندار تھے ۱۰ سال کے مختصر عرصے میں ان کی تعداد گھٹ کر پانچ فیصد رہ گئی۔

سرسید احمد خان اپنی کتاب اسباب بغاوت ہند میں لکھتے ہیں کہ :

''مسلمانوں کا بہت زوروں سے آپس میں سازش اور مشورہ کرنا اس ارادہ سے کہ ہم باہم متفق ہو کر غیر مذہب کے لوگوں پر جہاد کریں اور ان کی حکومت سے آزاد ہو جاویں نہایت بے بنیاد بات ہے جب کہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے کس طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔ پنتیس برس پیشتر ایک بہت مولوی محمد اسمعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کہا اور سب آدمیوں کو جہاد کی ترغیب دی اس وقت اس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکار انگریزی کے امن میں رہتے ہیں ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے اس لئے ہزاروں آدمی جہادی ہر ایک ضلع ہندوستان میں جمع ہوئے اور سرکار کی عملداری میں کس طرح فساد نہیں کیا اور غربی سرحد پنجاب پر جا کر لڑائی کی اور یہ جو ہر ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا نام ہوا اگر اس کو ہم جہادی فرض کریں تو بھی اس کی سازش اور صلاح قبل دسوین مئی ۱۸۵۷ء مطابق نہ تھی۔''(۴)

سرسید احمد خاں نے اپنی زندگی میں ایک بڑا خون ریز ہنگامہ پرور انقلاب دیکھا تھا اور اس کے اسباب و نتائج پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور و خوض کیا تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ سارا فساد حاکم و محکوم کے باہمی تعصب اور تنگ نظری کا نتیجہ تھا۔ وہ آخر دم تک اس بات پر اڑے رہے کہ انگریز جس ہنگامے کو غدر کا نام دیتے ہیں وہ تو سپاہیوں کا بلوا تھا جو افسروں کی حماقت اور ماتحتوں کی جہالت کے باعث پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنی لپیٹ میں ہندوستان بھر کو لے کر انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا کر دی تھی۔ اسی انداز نظر سے انہوں نے تیس برس تک اقوام ہند خصوصاً مسلمانوں کے زوال اور ہندوؤں اور انگریزوں کے عروج کے اسباب پر غور فکر کیا۔

محمد اکرام شیخ لکھتے ہیں کہ :

"سیاسی لحاظ سے ڈیڑھ سو سال(۱۸۰۰ سے ۱۹۴۷) کا یہ زمانہ محکومیت کا دور تھا۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت ہر لحاظ سے انتہائی پستی کو پہنچ گئی تھی۔"(۵)

سید حسن ریاض لکھتے ہیں کہ :

"مسلمانوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف یہ شکایات بھی تھیں کہ اس نے ان کو معاشی حیثیت سے تباہ کر دیا۔ تعلیم کی راہ میں ایسی رکاوٹیں پیدا کیں کہ اپنے مزاج اور پسند کے مطابق تعلیم حاصل کرنا ان کے لئے ناممکن ہو گیا اور مذہب کے معاملے میں اس نے مداخلتیں کیں اور یہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ ناگوار تھا۔ اگر ذرائع اور وسائل میسر ہوتے تو وہ انگریزوں سے جنگ ضرور کرتے۔ مگر وہ نہ تھے۔"(۶)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان برصغیر میں اتنے مجبور اور بے کس ہو گئے کہ تاریخ عالم کوئی قوم اپنے ملک میں ایک غیر ملکی قابض سامراج کے ہاتھوں اتنی مجبور اور بے کس نہیں ہوئی ہو گی۔ یوں آثار ملتے تھے کہ اب یہ قوم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مفلوج ہو جائے گی اور کبھی بھی اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو پائے گی۔ انیسویں صدی کے اخیر میں مسلمان زعما، علما، اور اکابرین یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوئے جاتے تھے کہ مسلمان برطانوی راج کے ساتھ ساتھ ہندؤوں کے بھی مغلوب ہوئے جاتے ہیں۔ خود مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ انگریز اور ہندؤوں کے ساتھ ساتھ ان کے کلچر اور زبان سے شدید نفرت کرتے تھے۔

شیخ محمد اکرامؒ لکھتے ہیں کہ :

"بالخصوص جنگ آزادی کے بعد تو ان کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ سر سیدؒ نے خود ہندوستان چھوڑ کر مصر میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے بعد میں ایک لیکچر میں کہا" میں اس وقت ہر گز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور عزت پائے گی اور جو حال اس وقت قوم کا تھا، مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ "ان دو فقروں سے قوم کی زبوں حالی کا اندازہ ہو سکتا ہے"(۷)

شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ :

"ادھر ۱۸۵۷ء میں دہلی پر جو قیامت ٹوٹی اس سے پرانی ثقافت کے در و دیوار ہل گئے۔ تمام ملک بارہ باٹ ہو گیا۔ وہ لوگ جن کے پاس بادشاہوں کے دستر خوان بچھے تھے۔ اب روزی کی تلاش میں مر رہے تھے۔ جنہوں نے کبھی کسی کا ہاتھ تکا نہ تھا ان کے دامن کشکول ہو گئے۔"(۸)

ہندؤوں کی لمبی سنگت سے اور انگریزوں کی سازشوں سے مسلمان مذہبی لحاظ سے پسماندہ ہو چکے تھے۔ ان کا رہن سہن اور تہذیب اپنا اصل رنگ کھو چکی تھی اور جن کے ہاں مذہب کی بہاریں تھیں وہ اس میں انتہا پسندی کو پہنچ چکے تھے۔ مذہبی، سیاسی، معاشی، اور معاشرتی لحاظ سے پسی ہوئی اس قوم کو انگریزوں اور ہندؤوں نے ہر لحاظ سے پسپا کرنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ ان کا جداگانہ وجود بھی قائم نہ رہے۔ اس لئے مسلمانوں کی ثقافت و تمدن کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایسے معاشی اصول وضع کئے گئے جن کے اختیار کرنے سے مسلمانوں میں حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی اس طرح مسلمان عقائد اسلامی سے دور ہٹنے لگے۔ اردو ہندی جھگڑا کھڑا کیا گیا اور ہندؤوں کو بلاوجہ مذہبی آزادی

دے دی گئی۔ ظلم و ستم سے مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ کیا اور انہیں جلا وطنی پر مجبور کیا گیا اور جو بچ گئے ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے نیز مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو سرد کرنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کئے گئے۔

۱۸۵۷ء میں کانگریس کے صدر شنکر رام نے صدارتی خطبہ دیتے ہوئے کہا:

" We are always aware that with the decline of British supremacy, we shall have anarchy, war and reprieve. The Muhammadans will try to cover their lost supremacy. The Hindus races and Chiefs will fight among the Moulvies. The only condition of our political survival is the continuance of British Raj."(۹)

عمر سلیم لکھتے ہیں کہ:

"کانگرس اور انگریز کی یہ خواہش تھی کہ ہندو سیاسی غلبے سے پہلے اقتصادی غلبے کی راہ ہموار کر لیں اور انگریزوں نے اقتصادی غلبے کی راہ ہموار کرنے کے لئے ہندوؤں کی بھرپور امداد کی اور مسلمانوں کو ہر شعبہ زندگی اور تجارتی تنظیموں اور کاروباری اداروں سے الگ رکھا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو ایک منظم سازش کے تحت تجارت و معیشت کے شعبوں سے نکال باہر کیا اور ہندوستان کی صنعت و حرفت پر بھی ہندو اکیلے ہی قابض ہو گے۔"(۱۰)

اس گھمبیر صورت حال سے برصغیر کے مفسرین اور علما نے امت مسلمہ کو دوبارہ قرآن سے جوڑنے کے لئے کمر کس لی۔ کیونکہ برصغیر میں عربی فارسی کو سمجھنے والے لوگ بہت کم تھے اور پورے برصغیر میں اردو زبان عروج پا رہی تھی۔ اس لئے مفسرین علما نے اس بات کا احساس کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کی بقا صرف اور صرف قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے ہی سے ممکن ہے، اردو تراجم اور تفاسیر لکھنی شروع کیں۔ اول انہیں مسلمانوں ہی کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد ازاں مسلمانوں کے اندر یہ احساس جڑ پکڑنے لگا کہ اگر قرآن کو سمجھنا ہے تو یہ چیز ضروری ہے۔ مختلف مکتبہ فکر کے مفسرین نے محنت شاقہ سے مختلف زبانوں میں قرآن کے تراجم اور تفاسیر لکھیں۔ خصوصاً اردو تفاسیر نے قوم کے دھارے کو صراط مستقیم کی طرف موڑا اور آزادی کی راہ دکھائی۔ مفسرین نے ملکی ضرورتوں، علمی بصیرتوں اور عالم گیر دعوت و تبلیغ کے لئے قرآن فہمی کا آسان اور واضح ترین طریقہ دریافت کرنے کی کوشش کی نیز انہوں نے اپنی تفاسیر کی روشنی میں ایسی کتب بھی تصنیف کیں جس نے امت مسلمہ کو قرآن کو سمجھنے میں اور سنبھلنے میں مدد دی۔ یہ تفاسیر عقیدت سے بھرپور جذبات کے ساتھ لکھی گئی کہ جس کو لکھتے وقت تاریخی واقعات کی تحقیقیا تجزیے کی ضرورت کو اہمیت نہیں دی گئی۔ بلکہ یہ کوشش کی گئی کہ انگیریز کے زیر تسلط ظلم و زیادتی میں پسی برصغیر کی عوام کی قربانیوں سے ان کے کردار اور مذہب سے ان کے لگاؤ اور شغف کو ظاہر کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے اچھی مثال مولانا عبدالحق حقانی، مولانا امیر علی ملیح آبادی، مولانا عبدالماجد دریاآبادی، مولانا ثناءاللہ امرتسری، ابوالکلام آزاد، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ہے کہ جو مؤرخ نہیں تھے، بلکہ اچھے مدرسین تھے۔ انہوں نے "اردو تفاسیر" میں حالات حاضرہ کا ذکر کرنے کا انداز اختیار کیا ہے بلکہ تاریخی اور تفسیری و تدریسی انداز بھی قائم رکھا ہے، اس کے ساتھ انگریز کے زیر سایہ تربیت پانے والوں کی سر

کو بھی اپنی تفاسیر میں کی۔

مغل زوال سے لے کر عہد برطانیہ میں مسلمان معاشرہ ذہنی طور پر اس قدر پسماندہ ہو چکا تھا اس میں کوئی ایسی شخصیت منظر عام میں آنے کو تیار نہ تھی جو اس باطل کا مقابلہ کر سکے اور زمانے کو سمجھ کر اس کے مسائل کا حل تلاش کر سکے۔ اس وقت کے مسلمان معاشرے نے کوئی تخلیقی مفکر، سیاست دان اور فلسفی پیدا نہیں کیا۔ اس کمی نے معاشرے کو ابھارا اور علمائے برصغیر مفسرین و محدثین کو پیدا کیا۔ جنہوں نے اپنی تصانیف کو عام کیا اور انہیں جدید قالب میں ڈھال کر مسلمان معاشرے کے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی تفاسیر کو ایک تحریک کا درجہ دے دیا گیا تاکہ وہ سلسلہ جو حضرت مجدد الف ثانی سے شروع ہوا وہ ٹوٹنے نہ پائے اور اس کا تسلسل آج تک برقرار رکھا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے آج ہم مسلمانآزادی کی کھلی فضا میں سانس لے رہے ہیں۔

مولانا برھان الدین سنبھلیؒ لکھتے ہیں کہ :

"کوئی دین، کوئی امت، کوئی تمدن اور کوئی نظام دین محض ماضی کی کاوشوں، کمالات اور تاریخی و علمی سرمایہ پر زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ زمانے کے نئے نئے مسائل و مشکلات سے عہدہ براہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے ہر عہد اور قطعہ زمین پر اگر اختیار مطلق نہیں تو کم سے کم قیاس و استنباط، فہم عمیق، کتاب و سنت پر گہری نظر، اصول فقہ و آثار، شریعت سے گہری واقفیت اور ان سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور روشنی حاصل کرنے کی صلاحیت کی ضرورت ہے اور علمائے پیشیں نے ہر دور اور ہر ملک و ماحول میں اس سے کام لیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ جہاں تک برصغیر ہندوستان کا تعلق ہے۔ جہاں فقہ حنفی کی سیادت و رواج تھا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا عبدالحیی فرنگی محل، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان اور بعض چیدہ و برگزیدہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے مسائل حاضرہ اور وقت کی ضرورتوں پر فقہ و شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائی۔" (۱۱)

عہد برطانیہ میں علمائے مفسرین کا فعال ہونے کا سبب

عہد برطانیہ میں جب انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو اس میں علماء مفسرین نے بھی حصہ لینا شروع کیا۔ مسلمان معاشرے میں اپنی حیثیت کو بہتر بنانے کیلئے ضروری تھا کہ ماضی میں اپنے طبقے کے کردار کو شاندار طریقے سے پیش کیا جائے۔ تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ علماء مفسرین نے ہر موقع پر، ہر مرحلے پر، مسلمان معاشرے کی قیادت کی ہے۔ لہذا جدید عہد میں بھی ان کی قیادت پر اعتماد اور بھروسہ کیا جائے۔ اس مقصد کیلئے علماء مفسرین کی دعوت و عزیمت، ان کی قربانیاں، ان کی بہادری و حق گوئی کو تاریخ کے ذریعے ثابت کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ علماء مفسرین کیلئے متحرک اور فعال ہونا اس لیے بھی ضروری ہو گیا تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان معاشرے کی رہنمائی جدید تعلیمیافتہ اور سیکولر ذہن کے لوگوں کے ہاتھ میں آئے۔ اور اس وقت ہندوؤں اور عیسائیوں میں احیائے مذہب کی تحریک زوروں پر تھی اور اطراف ملک میں اس کے جو مظاہرے ہو رہے تھے ان سے باغیرت مسلمانوں کے دل مجروح تھے۔ مسلمانوں کو ان واقعات کا بڑا قلق تھا اور ان کے دل میں انتقام اور غیض و غضب کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

اس دور کے حالات کے پیش نظر قرآنی تفسیر کی خوش قسمتی رہی ہے کہ تفسیر نویسی میں قدیمی طریقہ کار اختیار کرنے کے بجائے اس کو حالات حاضرہ کے جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا گیا۔ اردو میں تفاسیر لکھنے کا کام اس طبقے نے کیا کہ جس کا تعلق علماء سے تھا۔ لہٰذا انہوں نے ان تفاسیر کو مذہبی نظریات کی تشہیر کا ایک ذریعہ بنایا۔ خوش نما الفاظ اور خوبصورت اسلوب کے ساتھ قرآن کی تفسیر کو یوں بیان کیا کہ دینی و تاریخی واقعات اور تاریخی و مذہبی شخصیتوں کو اجاگر کیا سکے۔ اور انکی حیثیت تاریخی سے زیادہ مذہبی اور قابل اقتدا ہو۔

عبدالقیوم ندویؒ تفسیر ماجدی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر ماجدی میں حیاتیات، طب، معاشیات، جدید نفسیات، تاریخ عالم اور بشریات وغیرہ جیسے علوم کو بیان کیا گیا ہے جو مولانا ماجد کی ان علوم پر گہری نظر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔"(۱۲)

ڈاکٹر محمد طاہر مصطفٰی لکھتے ہیں کہ:

"انیسویں صدی کی ابتدا میں جب ایک طرف عیسائیوں نے قرآن مجید اور اسلام کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا تھا اور دوسری طرف سائنسی ترقیات سے مرعوب ہو کر بعض لوگوں کا یہ خیال ہو گیا تھا کہ قرآن کی بعض تعلیمات سائنس کے برعکس ہیں تو اس صورت حال میں مولانا حقانی نے اپنی اس تفصیل میں عیسائیوں کے ان افکار کی سختی سے تردید کی ہے اور ان کے شبہات کا مدلل جواب دیا ہے۔"(۱۳)

برصغیر کی تفاسیر کے معاشرتی اثرات

جن علماء نے تفاسیر کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ بنایا ان میں مولانا عبدالحق حقانی، مولانا ثناءاللہ امرتسری، مولانا ماجد دریاآبادی، مولانا امیر علی ملیح آبادی، مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد میاں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا منظور نعمانی شامل ہیں۔ یہ حضرات مؤرخ نہیں تھے اور ان کا مقصد تاریخی حقائق کا کھوج لگانا یا ان کا تجزیہ کرنا نہیں تھا۔ بلکہ یہ تفاسیر کو لوگوں کے مذہبی عقائد کی اصلاح کیلئے ایک ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ تیرھویں صدی ہجری مسلمانان ہند کے لئے بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ مسلمانوں کا سیاسی تنزل اسی صدی میں ہوا۔ اور ان کے مذہبی احیا اور معاشرتی اصلاح کے آغاز کا بھی یہی زمانہ ہے۔ ان کی معاشرتی اصلاح ہوئی اور مسلمانوں نے معاشی طور پر بھی اپنے آپ کو بہتر کرنا شروع کر دیا۔ اردو زبان میں لکھی جانے والی تفاسیر سے مسلمانوں کو اپنی اصل سے دوبارہ آشنائی حاصل ہوئی لیکن صورت حال یہ تھی کہ ہندوستان کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ علمی انحطاط اور ذہنی پسماندگی کی وجہ سے مسلمان اپنے بگڑتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے صبر و شکر کر کے قناعت کی راہ اختیار کر چکے تھے۔ کاہلی اور تن آسانی ان کا خاصہ بن گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان تنزلی کی سیڑھی پر پھسلتے گئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تقدیر کے سامنے تمام قوتیں بے بس تھیں۔ لیکن بہت ساری معاشرتی اور مذہبی خامیاں جن پر مغلوں کی حکومت کے زمانے میں پردہ پڑا ہوا تھا۔ علما اور مفسرین نے ان کو بے نقاب کر دیا۔

شیخ محمد اکرام کے مطابق:

"یہ نتیجہ خیز کوششیں سیاسیات تک محدود نہ تھیں۔ علمی، ادبی، بلکہ مذہبی اور دینی معاملات میں بھی قوم نے نئی سربلندیاں حاصل کی۔ اردو

نثر کا اصل آغاز اس زمانے میں ہوا۔ اردو شاعری میں ایک خوشگوار اور صحت مند انقلاب آیا۔ فلسفہ میں ایک ایسا مفکر پیدا ہوا جس کے مد مقابل جدید دنیائے اسلام میں نظر نہیں آتا۔ مذہبی اور دینی امور میں بھی کامیابیاں اسی طرح روشن درخشاں تھیں۔ مولانا سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد اسی زمانے سے متعلق ہے۔ دیوبند کا مدرسہ جس کی مثال ہندوستان میں اسلامی حکومت کے عروج میں مشکل سے ملے گی اور ندوۃ العلما اور دار المصنفین اسی زمانے میں قائم ہوئے۔ قرآن کریم کی اشاعت اور تفہیم کے لئے مسلسل کوششیں ہوئیں۔ سیرت میں ایک نیا معیار قائم ہوا۔ برصغیر میں شمعیں روشن ہوئیں ان کی کرنیں باہر بھی پڑنا شروع ہوئی۔ مغربی زبانوں میں اسلام کی بہترین ترجمانی سید امیر علی نے کی بلاد مغرب میں ہمارا سب سے کامیاب مبلغ خواجہ کمال الدین اس زمانے میں مصروف عمل تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس دور میں شاہ ولی اللہؒ کے پائے کا کوئی عالم نظر نہیں آتا (نئے حالات میں اور نئی نسل کے لئے ان کا نعم البدل اقبال تھا) لیکن جس دور میں مولانا سید احمد، شاہ اسماعیل شہید، مولانا محمد قاسم دیوبندی، شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا اشرف علی تھانوی اور اقبال سرگرم کار رہے ہوں۔ اسے مذہبی خشک سالی کا زمانہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔" (۱۴)

علمائے برصغیر نے اپنی تفاسیر میں وحدت نسل انسانی، عملی اتحاد، وحدت فکر انسانی، احترام انسانیت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مساوات، عدل وانصاف، حساس ذمہ داری، اطاعت اللہ ورسول اور خدا پرستی یعنی توحید پر زور دیا۔ علمائے اکرام نے برصغیر کے معاشرے میں رائج غیر انسانی، غیر مذہبی اور غیر اخلاقی رسومات کا تیاپانچہ کیا۔ جس سے برصغیر کا معاشرہ بلاشبہ اصلاح کی طرف گامزن ہوا۔

برصغیر کی عوام کو تفسیر قرآن کی اشد ضرورت

قرآن پاک ایک معجزاتی کتاب ہے اور یہ تمام عالم اسلام اور دیگر الہامی اور غیر الہامی کتب میں ممتاز اور فائز ہے۔ اس لئے قرآن حکیم عرب اور عجم میں جہاں بھی گیا وہاں اس کا استقبال انتہائی عقیدت و احترام سے کیا گیا۔ یہ ایک اکمل کتاب ہے جس میں دنیاوی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے روشنی اور ہدایت موجود ہے۔ برصغیر پاک ہند تو وہ خوش نصیب خطہ ارضی جہاں اسلام کی کرنیں عہد رسالت میں ہی کسی نہ کسی حد تک پہنچ چکی تھیں۔ خلافت راشدہ میں یہ خطہ باقاعدہ طور پر اسلام کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوا تھا۔ یہاں کے عظیم فرزندوں نے نہ صرف اسلام کے علمی اور تاریخی ورثے کو دل وجان سے قبول کیا بلکہ اس کی حفاظت اور ترویج واشاعت کا کام بھی پوری ذمہ داری سے سرانجام دیا۔ یہاں کے علما اور مفسرین نے اس کے ترجمہ اور تفسیر کو ایک عظیم سعادت جان کر غیر معمولی اہمیت دی تاکہ اس کتاب کے پیغام سے ہر خاص و عام مستفید ہوسکے۔

ڈاکٹر محمد طاہر مصطفٰی لکھتے ہیں کہ :

"برصغیر پاک وہند میں شاہ ولی اللہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تفسیر کے لئے تقلیدی راستہ بدلنے کی کوشش کی اور فن تفسیر کے اصول پر فکری کتاب "الفوز الکبیر" لکھی ان کے بعد سر سید احمد خاں نے بھی اصول تفسیر پر افکار و خیالات مرتب کیے۔ شاہ صاحب اور سر سید کی اصولی کتابوں اور فکری تفسیروں کے بعد متحدہ ہندوستان میں تفسیر پر کام بڑی تیزی اور فراوانی سے ہونے لگا۔ مولانا عبدالحق حقانی، مرزا حیرت،

نواب سید صدیق حسن خاں وغیرہ نے اپنی اپنی رائے میں تفسیروں کے مبسوط مقدمات اور جداگانہ تالیفات میں اصول تفسیر پر بحث کی۔ تاہم جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کی تحریک نے متحدہ ہندوستان میں جہاں اور اثرات ڈالے وہاں قرآن کی تفسیر کے لئے بھی ایک نئی روشنی پیدا کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن کے مقدمے میں نئے فکری اصول چودہ بنیادی نکات میں بیان کر کے مفسرین کے لئے ایک نئی شاہراہ بنائی۔ اس طرح خواجہ عبدالحئی اور حمید الدین فراہی اور ان سے ہٹ کر علی نقی لکھنوی نے بھی تفسیری حوالے سے کام کیا۔ اس کے بعد ملکی ضرورتوں، علمی بصیرتوں اور عالمگیر دعوت و تبلیغ کے لئے قرآن فہمی کا آسان اور واضح ترین طریقہ دریافت کرنے کی کوشش کی گئی۔ آج ہمیں جہاں دنیا کے ہر خطے کے مسلمان قرآن کی تفسیر لکھنے اور قرآن فہمی میں کوشاں نظر آتے ہیں وہیں خطہ ہند کسی سے پیچھے نظر نہیں آتا۔" (۱۵)

برصغیر کے مسلمان ۱۸۵۷ء کے بعد ہر لحاظ سے معتوب تھے۔ مزید ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ خواب غفلت میں سوئے ہوئے تھے۔ ان کی ان نتائج کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ جو انہیں بحثیت مسلمان قوم ختم کرنے والے تھے۔ وہ نتائج ان کا اسلامی تشخص بالکل ختم کر دیتے۔ بحثیت مفتوح قوم وہ حکومت کی آنکھوں میں ذلیل ہو چکے تھے۔ دولت ان کے ہاتھوں سے جا چکی تھی اور ان میں تنگ نظری اور تعصب پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ رفتار زمانہ کے ساتھ چلنے سے قاصر تھے۔

ڈاکٹر محمود الحسن عارف لکھتے ہیں کہ :

"عملی اور اخلاقی بگاڑ پر ذہنی اور اعتقادی ژولیدگی مستزاد تھی۔ ایمان کے یقین راسخ کی ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی پوری طرح معاشرے کے تمام طبقات پر چھا چکی تھی۔ ایرانی، ہندوی اور دیگر مقامی اثرات کے تحت اہل اسلام نے بے شمار بدعات اپنالی تھیں۔ قبر پرستی اور عرس منانے کی رسوم جس کے خلاف قاضی صاحب نے ارشاد الطالبین میں بہت کچھ لکھا ہے، بہت زیادہ مقبول تھی۔ ان کو فرائض کی طرح بجالایا جاتا تھا جبکہ فرائض سے غفلت برتی جاتی۔" (۱۶)

ایسے حالات میں تفاسیر قرآن نے ان کے تن مردہ میں روح پھونکی کیونکہ قرآن میں انسانوں کے مادی، روحانی، فکری، تہذیبی، مذہبی، سیاسی، معاشرتی، عدالتی، اخلاقی، سائنسی، اخروی غرض زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں رہنمائی ہے۔ دوسرا برصغیر کے لوگ عربی سے ناواقف تھے اور انہیں علاقائی زبان میں تفسیر قرآن کی اشد ضرورت تھی تاکہ اس کی تشہیر و توضیح ہر خاص و عام تک پہنچ جائے اور یہ بات بھی اہم ہے کہ قرآن کریم صرف ایسی صورت میں ہدایت کا نور ثابت ہو سکتا ہے جب اس کے متن کا پیغام اور مقصد و مدعا رائج الوقت زبانوں میں تفسیر اور تشریح کی صورت میں عوام الناس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہو تاکہ وہ اس سے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے راہنمائی حاصل کر کے صراط مستقیم پا سکیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ :

"مسلمانوں کے فکر و عمل کی تمام گمراہیوں کا انسداد، تمام امراض ذہن و قلب کا علاج اور ہر قسم کے مسائل قومی و ملی کا حل صرف ایسی نور و

کتاب کی راہنمائی میں ہے جسے قرآن حکیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔"(۱۷)

محرکات اردو تفاسیر بالفاظ مصنفین

مولانا عبدالحق حقانی لکھتے ہیں کہ:

"اول تو یونہی مسلمانوں کی حالت خراب تھی اس پر آزادی اور الحاد کی برانڈی نے وہ آفت ڈھائی جس غفلت اور باہمی نزاع اور بے دینی نے ہر طرف سے محیط ہو کر دینی و دنیوی برکات کا خاتمہ کر دیا یہاں تک ان کا دل خوش کرنے کے لئے ایک قوم نے وہ طرز اختیار کیا کہ اہل یورپ کا پورا جامہ ہی پہن لیا جس طرح وہ لوگ برائے نام عیسائی اور در حقیقت سخت ملحد ہیں نہ خدا تعالیٰ کے قائل، نہ ملائکہ و حشر و نشر، ثواب و عقاب، حلال و حرام، طاہر و نجس کے مقر۔۔۔۔۔۔ ان سب باتوں کے منکر اور حلال و حرام اور طہارت و نجاست وغیرہ جملہ احکام اسلام سے نافرمان، اس پر نام کے مسلمان ہیں پھر کفریات اور پادریوں اور ملحدان یورپ کے معتقدات کا نام تحقیق اور ترقی اسلام رکھ کر صدہا دولت مندوں اور آزادی پسندوں کو تفسیر کے پیرایہ میں ملحد و گمراہ بلکہ حقیقی اسلام کا بدخواہ بنا دیا۔ حیف صدہا کو روحانی زہر کا پیالہ پلا دیا۔ لہذا حمیت ایمانی اور اہل اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبور اردو میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا۔"(۱۸)

مولانا ثناءاللہؒ امرتسری لکھتے ہیں کہ:

"چونکہ میری غرض صرف یہ ہے کہ قرآن کریم سے عوام مسلمان اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کچھ حصہ لیں۔ اس لیے میں نے حواشی اصل تفسیر سے الگ کر کے اختلاف قرات وغیرہ کی مباحث ہی نہیں لکھی۔ کیونکہ موجودہ قرات ہر حال میں مسلم اور معتبر ہے۔ چونکہ میری غرض اصلی اس تحریر سے یہ ہے کہ عوام اہل اسلام قرآن کریم کے مطالب سے واقف اور آگاہ ہوں۔ اس لئے میں نے ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ عربیہ کی پابندی نہیں کی۔"(۱۹)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:

"۱۹۱۵ء میں جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا تو بیک وقت تین چیزیں پیش نظر تھیں۔ ترجمہ، تفسیر اور مقدمہ تفسیر۔ میں نے خیال کیا تھا کہ یہ تین کتابیں قرآن کے فہم و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں پوری کر دیں گی۔ عام تعلیم کے لئے ترجمہ۔ مطالعہ کے لئے تفسیر۔ اہل علم و نظر کے لئے مقدمہ۔"(۲۰)

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

"اس کام میں میرے پیش نظر علما اور محققین کی ضروریات نہیں ہیں اور نہ ان لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لئے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی زبان سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لئے ممکن نہیں ہے۔"(۲۱)

عصر حاضر میں تفسیر کی ضرورت

قرآن مجید رشد وہدایت پر مبنی ہے۔ یہ اصول وکلیات کی کتاب ہے جس میں جزیات اور فروعی باتیں بہت کم بیان کی گئیں ہیں۔ لہٰذا اصول و کلیات کی تشریح اور جزیات اور فروعی باتوں کی تفصیلات کے لئے علم تفسیر از حد ضروری ہے۔

عبدالعظیم زرقانی لکھتے ہیں کہ :

"اس کی آیات وقت کے ہر مسئلے اور زمانے کی ہر اجتماعی وانفرادی ضرورت کا تسلی بخش حل اپنے اندر پنہاں رکھے ہوئے ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں سعادت دارین کے لئے بے مثال اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس لئے اس کو کماحقہ سمجھنے اور اس سے ہر زمانے کی ضرورت اور مشکل کا حل تلاش کرنے کے لئے انسانی علوم وفنون کی روشنی میں مسلسل غور وفکر اور تدبر وفکر کی ضرورت رہتی ہے۔ یہی ضرورت تفسیر نویسی کا اہم محرک ہے۔ اسی بناپر ابتدائے زمانہ اسلام سے لے کر ہر دور میں اور ہر عصر میں تفسیر نویسی کا سلسلہ بلاانقطاع جاری رہا ہے۔" (۲۲)

قرآن کا موضوع انسان ہے اور اس سے مراد ساری کائنات کے انسان ہیں۔ انسان کو جس قدر بھی راہنمائی کی ضرورت ہے وہ اس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا کہ انسان کو دنیا میں بھیجنے کا کیا مقصد ہے اور اس نے یہ زندگی کیسے گزارنی ہے اس کا نظام معاشرت، معیشت، سیاست اور تمدن کیسا ہونا چاہیے؟ اس کی مادی اور روحانی غذا کیسی ہونی چاہیے؟ اس کے ارد گرد کا ماحول کیسا ہونا چاہیے؟ اس نے اپنے آپ کو ظاہری اور باطنی آلودگیوں سے کیسے پاک کرنا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب میں علم تفسیر معرض وجود میں آیا۔ دوسری اہم بات یہ کہ کائنات میں آئے دن بے شمار نئی سائنسی انکشافات اور معجزات ہو رہے ہیں اور وہ علوم جن کا تعلق تہذیب انسانی سے وہ نئی نئی شکلیں اختیار کرتا جارہا ہے۔ قرآن کریم ان تمام علوم کا معدن ومخزن ہے۔ لہٰذا یہ دور جدید کی بھی اشد ضرورت ہے کہ قرآن کو سامنے رکھ کر عوام الناس نئے علوم کی وضاحت اس انداز سے کرے کہ عہد حاضر کے مسائل کو بااحسن طریق حل کرسکیں اور اپنے شکوک وشبہات کو رفع کرسکے۔ برصغیر پاک وہند کے مسلمان جنہیں ہر لحاظ سے پسپا کرنے کے لئے الکفر ملۃ واحدۃ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے وہاں قرآن کی تفاسیر اور اسلامی تعلیمات ہی واحد سہارا ہیں جو انہیں گمراہ ہونے سے بچاسکتی ہیں۔ سورۃ النحل میں ہے۔

(وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم) (۲۳)

ترجمہ: اور ہم نے تمہاری طرف یہ ذکر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے لئے اس کی وضاحت کرو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔

تفسیر قرآن عین منشائے الٰہی ہے تاکہ ہر سطح کے لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے اپنی علمی وفکری صلاحیتوں اور دانست کو کافی شافی سمجھنا سراسر دھوکہ اور جہالت ہے۔ اس کے لئے تفسیر وتشریح قرآن انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن صرف کتاب نہیں بلکہ ایک عمل مسلسل اور فکر وتدبر کا ایسا تسلسل ہے جسے تاقیامت جاری رہنا ہے۔ جسے نوح انسان کی وقتی ضرورتوں کے مطابق رہنمائی کرنی ہے۔

عصر حاضر میں عربی زبان وادب میں مہارت باقی نہیں رہی۔ عربی الاصل خاندانوں میں عربیت کی خصوصیات مفقود ہے اس لیے اس دور میں علم تفسیر کی از حد ضرورت ہے، قرآن مجید بنی نوع انسان کی صلاح وفلاح اور ان کے اعزاز واکرام کو برقرار رکھنے کے لیے نازل ہوئی ہے، عظیم علمی ذخائر کا جامع ہے، علم تفسیر ان خزینہ ہائے علمی کی کنجی ہے۔ حضرت ابرہیم واسماعیل علیہا الصلوۃ والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے لیے جو دعا فرمائی تھی جسے اللہ تعالٰی نے قرآن بنا کرامت محمد یہ پر اس کی تلاوت واجب قرار دی ہے یہ ہے کہ:

(ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو اعلیھم آیٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم)(۲۴)

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! اور بھیج دے ان میں ایک رسول جو انہی میں سے ہو جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے بے شک تو ہی غالب اور بڑی حکمت والا ہے"

ان کلمات نے یہ واضح کر دیا قرآن کریم کا ہر مخاطب از خود مضامین قرآن سمجھنے پر قادر نہیں۔ بلکہ اللہ کا نبی ﷺ ہی ان کو کتاب کے معانی و احکام سکھائے گا اور حکمت کی چیزیں بتائے گا۔ احکام شریعت پیغمبر ہی کے بیان سے معلوم ہو سکیں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ تلاوت آیات بھی وہی معتبر اور صحیح ہو گی جس طرح پیغمبر تلاوت کرائیں اور پڑھائیں۔ اہل عرب بے شک عربی زبان جاننے والے تھے اور قرآن کریم عربی ہی میں نازل ہوا لیکن ایسا ممکن نہ ہوا کہ ہر شخص محض اہل لسان اور لغت عربیہ کے جان لینے کی وجہ سے کلام اللہ کے معانی اور مضامین بھی سمجھ لے گا اور اس کے حقائق و معارف تک رسائی ہو جائے۔ بلکہ کلام اللہ کی مراد سمجھنے میں ہر شخص اگرچہ وہ عربی ہی کیوں نہ ہو اس بات کا محتاج ہے کہ وحی خداوندی اور بیان پیغمبر ﷺ اس کی رہنمائی کرے۔

قرآن صحابہ کا اوڑھنا بچھونا تھا وہ اسے حفظ کرتے مگر حفظ سے پہلے اسے سمجھنے کی پوری کوشش کرتے تھے پھر دل و جان سے اس کی تعلیمات کی پیروی کرتے اور پوری مستعدی سے اس کی بنائی ہوئی راہ پر گامزن ہو جاتے تھے اتباع قرآن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی روحیں پاک وصاف ہو گئیں ان کے نفوس پاکیزہ اور ان کے آثار میں عظمت پیدا ہو گئی۔ اس لیے کہ جسم انسانی میں قوی ترین چیز روح ہے جب حسن تربیت سے اس میں صفائی نفاست اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے عجائبات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔

قرآن کے مطالب اور مضامین سمجھنے کے لیے فکر انسانی اور اس کی علمی صلاحیتوں کے ساتھ آفتاب نبوت کی شعائیں بھی ضروری ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ آفتاب نبوت کی روشنی میں رہتے ہوئے اپنی فکر و نظر اور غور و تدبر کی نگاہوں سے قرآنی حقائق اور معارف تلاش کرے اسی غرض کے لیے ارشاد خداوندی ہے:

(افلا یتد برون القرآن ام علٰی قلوب اقفالھا) (۲۵)

ترجمہ: یہ لوگ کیوں نہیں غور و فکر اور تدبر کرتے قرآن میں یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

دراصل قرآن پاک وہ لاریب، لازوال کتاب اور صحیفہ آسمانی ہے جو مجموعی طور انسانی زندگی کے اہم مسائل جیسا کہ عقائد، مساوات، اخلاق، معیشت، معاشرتی اور حکومتی مسائل سے متعلق مطالب و تشریحات پر مشتمل ہے۔ یوں قرآن پاک تمام عالم اسلامی کے لئے دستور حیات

ہے۔ آئین اساسی اسلامی بھی ہے، حکومت سازی اور حکومت چلانے کا ہدایت نامہ بھی ہے علوم و معارف اور احکام و عقائد کا سرچشمہ بھی ہے، عبادت و اخلاق سے متعلق قواعد و افکار کا مخزن بھی ہے، معاشرے کو اچھا بنانے کا قانون بھی ہے اور راہنمائے سعادت دارین بھی ہے۔ گزشتہ صدیوں سے برصغیر عالم اسلام کی نگاہوں کا مرکز رہا ہے۔ اسلام اور قرآن کی خدمت میں یہ خطہ پیش پیش رہا ہے۔ برصغیر نے ایسے ایسے یگانہ روزگار افراد پیدا کیے جو اپنی مثل میں لاثانی تھے۔ انہوں نے اسلام اور قرآن کے حوالے سے کبھی کوئی بیرونی اثر قبول نہیں کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ :

"ہر عہد کا فکری اثر تمام علوم و فنون کی طرح تفسیر میں بھی کام کرتا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا یہ پر فخر واقعہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ علمائے حق نے وقت کے سیاسی اثرات کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے اور کبھی یہ بات گوارہ نہیں کہ اسلام کے عقائد و مسائل ان سے اثر پذیر ہوں۔" (۲۶)

علمائے برصغیر کو اس بات کا خصوصی ادراک تھا کہ انہوں نے قرآن کی تفسیر علاقائی زبانوں میں کر کے اس کی خدمت کا حق خوب نبھایا اور آنے والے مفسرین کے لئے راہیں آسان کیں۔

اسلامی معیشت اور مسلمانان برصغیر

انسان کی معیشت کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے اسلام نے چند اصول و ضوابط اور حدود طے کر دیں ہیں تاکہ پیدائش دولت، اس کا استعمال اور گردش کا سارا نظام انہی خطوط پر چلے جو اس کے لئے قائم کر دیئے گئے ہیں۔ در حقیقت اللہ تعالی نے یہ ساری کائنات صرف حضرت انسان کے لئے تخلیق کی ہے اب یہ اسکا پیدائشی اور فطری حق ہے کہ وہ اس سے اپنا رزق حاصل کرنے کی کوشش کرے اس میں سارے انسان برابر ہیں۔ کسی کو محظ رنگ، نسل، زبان اور علاقے کی وجہ سے اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان کو معاشرت اور معیشت دونوں میں بے لگام آزادی نہیں دیتا۔ اسلام متوسط راستہ متعین کرتا ہے تاکہ معیشت افراط و تفریط سے بچ سکے۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ :

"اسلام صرف اتنا ہی نہیں چاہتا کہ اجتماعی زندگی میں یہ معاشی دوڑ کھلی اور بے لاگ ہو۔ بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس میدان میں دوڑنے والے ایک دوسرے کے لئے بے رحم اور بے دردنہ ہوں بلکہ ہمدرد اور مددگار ہوں۔" (۲۷)

انگریزوں نے چونکہ ملک مسلمانوں سے چھینا تھا اس لئے انہیں یہ فکر لاحق تھی کہ صرف اور صرف مسلمان قوم ہی اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی نو آبادیات یعنی کہ ہندوستان کو معاشی طور پر مضبوط بھی کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ہندوان کا ٹارگٹ ٹھہرے۔ وہ علاقے جہاں ہندا کثریت میں تھے وہ وہاں ان کی مدد سے معاشی قابض ہونا چاہتے تھے۔ انگریزوں نے دھوکے بازی، بدعہدی اور سازشوں سے ہندوستان پر قبضہ کیا تھا اور مسلمانوں کو حکومت، آزادی، جائیداد اور اختیار سے محروم کر دیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے

انہیں معاشی طور پر تباہ حال کرنے میں کوئی کسر روانہ رکھی۔ ان کے مذہب اور تعلیم کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کیں۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہندوؤں کو معاشی طور پر مستحکم کیا اور مسلمانوں کو ہر شعبہ زندگی، تجارتی تنظیموں اور کاروباری اداروں سے الگ رکھا جس کے نتیجے میں ہندو انگریزوں سے مل کر صنعت و حرفت پر اکیلے قابض ہو گئے۔ ساری صنعتی و کاروباری سہولیات صرف ہندوؤں کے لئے تھیں۔ تمام سرکاری دفاتر اور اداروں میں مسلمانوں کو حیلوں اور بہانوں سے نکال باہر کیا۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب بہت کم تھا۔

عمر سلیم لکھتے ہیں کہ:

''ہندو اور انگریزوں کی یہ چال تھی کہ ہندوستان پر ہندو کے سیاسی غلبے سے پہلے اس کا اقتصادی غلبہ قائم کر دیا جائے اس سے نصف صدی کے اندر اندر ہندو کا اقتصادی غلبہ قائم ہو گیا۔ ہندو تجارت اور صنعت کا بے تاج بادشاہ بن گیا۔'' (۲۸)

عبداللہ ملک لکھتے ہیں کہ:

''سچ یہی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اقتصادی ترقی کی جو نئی راہیں کھلیں ان پر ہندوؤں کے تسلط و قبضے میں اس برصغیر کی سیاست و معیشت میں ایک بالکل ہی نیا عنصر پیدا کر دیا۔ اب نفسیاتی صورت حال یہ تھی کہ مسلمان تباہ ہوا، ہندو کو ترقی ملی، مسلمانوں کی حکمرانی گئی، انگریز حاکم بنا اور اس کا دست راست ہندو ٹھہرا۔ مسلمانوں کی زمینداری بھی گئی اور اس جگہ بھی ہندو بنیے ہی نے لی۔'' (۲۹)

ایسے حالات میں علمائے برصغیر نے تفاسیر لکھ کر مسلمانوں کو ان کے عہد رفتہ سے جوڑا ان کی مادی اور معاشی اصلاح کی۔ دیگر اقوام سے حائل خلیج کو کم کرنے کی کوشش کی۔ مفسرین اور علمانے اہل ثروت کو ترغیب دی کہ وہ اپنی دولت و ثروت سے علم و فن کی سرپرستی کرے۔ کیونکہ مادی ترقی کے حصول کا پہلا زینہ علم فن ہی ہے۔ دراصل ایک مسلم معاشرے کی حقیقی معاشی خوشحالی اور حیات اجتماعی کے فروغ واستحکام میں قرآن اور اس کی تعلیمات کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ اسلام اس میں ٹھوس بنیادیں فراہم کرتا ہے جن کی پاسداری ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبے میں انتہائی لازمی ہے۔

برصغیر کی تفاسیر اور ان کا کردار۔

تفسیر حقانی کا برصغیر میں کردار۔

یہ تفسیر فتح المنان جو کہ تفسیر حقانی کے نام سے معروف ہے۔ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی دہلوی اس کے مؤلف ہیں۔ آیات میں ربط پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ مخالفین کے پیدا کردہ شکوک و شبہات جس قدر تاریخی واقعات یا مبدا و معاد کی بابت کئے جاتے ہیں۔ مولانا نے ان کا جواب دے کر اسلام کی عظمت کو برقرار رکھا ہے۔ تکرار، رطب و یابس اور کسی مخصوص مذہب کی تائید سے اجتناب برتا ہے۔ مذاہب کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد قرآن کی حقانیت کو واضح کر دیا ہے۔ برصغیر میں جدت پسندی کی آڑ میں اسلام اور معاشرت کو نقصان پہنچانے والی شر پسند طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ مولانا نے اس میں وجود باری تعالیٰ، توحید، نبوت اور اس کی ضرورت و اہمیت، حقیقت

وحی والہام، صداقت معجزات انبیاء، کرامت، حقیقت ملائکہ، عالم جن کا وجود اور دلائل، جن و شیاطین کی حقیقت، جدید فلسفیانہ افکار اور بالخصوص سرسید احمد خان کے غلط نظریات کا رد وابطال نہایت ہی شاندار طریقے سے کیا ہے۔ نیز مولانا نے الوہیت مسیح، عقیدہ تثلیث اور یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد کو بھی پاش پاش کیا ہے۔ یہ سب ایسے فکری لغزشیں تھی جس سے تعلیم یافتہ طبقہ بری طرح متاثر ہو رہا تھا مولانا نے مدلل انداز میں سرسید احمد خان کی تفسیر القرآان میں موجودہ باطل نظریات کو تحریف قرآن ثابت کیا۔ تفسیر کا انداز بڑا ہی سہل اور دلچسپ ہے۔ آیت سے متعلق ہر موضوع کا تفصیلاً بیان اس تفسیر کی اہمیت کو دوبالا کرتا ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی کا انیسویں صدی کا لکھا ہوا یہ ترجمہ اور تفسیر بعد کے مترجمین اور مفسرین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا، مفصل و جامع تفسیروں میں اس کا اعلیٰ مقام ہے۔ اور بعد کے تقریباً تمام علماء نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

تفسیر ترجمان القرآن کا برصغیر میں کردار

مولانا عبدالکلام آزاد ایک صاحب قلم شخصیت تھے۔ ترجمان القرآن میں اس کی بھرپور عکاسی ہے۔ مولانا نے ترجمان القرآن کو تفسیر کے ساتھ ساتھ ادبی تخلیقی شاہکار بھی بنادیا ہے۔ اللہ تعالی نے مولانا کو قرآن فہمی کے کے باب میں خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ زمانے کی تمام پریشانیوں اور مسائل کا حل قرآن حکیم کو ہی سمجھتے تھے۔ مولانا عبدالکلام آزاد نے ذہانت، فقاہت اور حفظ میں کمال حاصل تھا۔ علم و فضل کے بل بوتے پر آپ کو بلاشبہ بیسویں صدی کا امام کہنا مناسب ہوگا۔ آپ کی تفسیر ترجمان القرآن ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس کی دو خصوصیات مقدمہ تفسیر اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر لائق تحسین ہیں۔ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر اس نہج پر کی ہے کہ وہ مقدمہ قرآن بن گئی ہے۔ یہ تفسیر اٹھارویں پارے کی سورت المومنون تک ہی ہے۔ مولانا نے اپنی اس تفسیر میں پہلی بار غیر مستند روایات اور اسرائیلی واقعات جو زیادہ تر بے سند ہوتے ہیں، سے اجتناب کیا ہے۔ اس تفسیر میں بہت سے مقامات پر ایسی تحقیقی چیزیں ملتی ہیں جو اس سے پہلے اتنی واضح نہیں لکھی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ مولانا اس زمانے کی فکری تحریکوں کو خوب سمجھتے تھے اور قرآن کو ہر زمانے کی پیچیدگیوں کا حل قرار دے کر معاشرے کو اس کے سانچے میں ڈھال اصلاح کی طرف گامزن کرنا چاہتے تھے۔ مولانا نے وقت کی روح کو پہچانا اور انگریزوں کے عہد میں اسی طرز و روش کی پیروی کی جس کو ابن تیمیہ اور ابن قیم نے پسند کیا تھا۔ آپ نے فلسفہ یونان کو مسلمانوں کی تباہی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ آپ کی تفسیر میں زبان و بیان کی سادگی، داعیانہ سوز، فکری اعتدال، منہج سلف کی پیروی، فکر مغرب سے مرغوب مفکرین کا رد اور جامعیت موجود ہے۔

تفسیر ماجدی کا برصغیر میں کردار

مولانا عبدالماجد دریاآبادی اپنے زمانے کی صاحب کمال شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ آپ اپنے وقت اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے والے انسان تھے۔ مولانا کو مطالعہ قرآن سے بڑا شغف تھا۔ اور آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی بھی معصوم امت میں نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کسی کی پیروی اس وجہ سے کرنا کہ وہ معصوم امت ہے بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کے علمی و دینی کاموں میں سب سے بڑا کارنامہ قرآن حکیم کی انگریزی اور اردو تفسیر ہے۔ ان کی تفسیر کا ایک بڑا خاصہ یہ ہے کہ آپ نے مختلف اغراض و مقاصد کے

لیے قدیم آسمانی کتب وصحف کے بکثرت حوالے دیے ہیں۔ آپ جدید علوم سے بہرہ ور تھے۔ مغربی تہذیب اور سائنس کی ترقی نے جن افکار کو جنم دیا تھا وہ مذہب کے لیے بڑا چیلنج بن گئیں۔ آپ نے اسلامی تعلیمات کی فوقیت کو سائنسی نقطہ نظر سے ثابت کرنے کی بے مثال کوشش کی۔ ملت اسلامیہ کی اصلاح کے لیے ان کی خدمات شاندار ہیں۔ بیسویں صدی سیاسی، اسلامی اور عام اخلاقی اصلاح کی تحریکوں کا زمانہ تھا۔ ان میں سے بعض تحریکیں اصلاح کی آڑ میں گمراہی پھیلاتی رہیں۔ ایسے میں مولانا عبدالماجد نے دوسرے شیوخ اسلام سے مل کر کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرکے دکھادیا۔ انہوں نے جذبہ ایمانی سے شہادت حق کا فریضہ اپنے قلم سے ادا کیا۔ جہاد بالقلم سے معاشرے کی اصلاح ان کا بے مثال کارنامہ تھا۔ آپ جدید علوم سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے جدید علوم کے ارتقاء سے جو نئے نئے مسائل پیدا ہوئے ان کے پیش نظر آپ نے قرآن کی تعلیمات کی تشریح کی۔ آپ نے حدیث اور اسوہ صحابہ کو اس انداز سے پیش کیا جس کو جدید تعلیم یافتہ طبقے نہیں قبول کیا۔ آپ نے عقلی اور منتقی دلائل سے مذہبی صداقتوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور بہت ساری معاشرتی پیچیدگیوں کو آسان کیا۔ آپ نے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا تدارک کیا۔ آپ نے علمی استدلال کو بروئے کار لاتے ہوئے نہایت خوبی سے اہل مغرب کے قرآن پر اعتراضات کے پرخچے اڑائے ہیں۔ آپ نے ایسے موضوعات جیسا کہ طلاق، کثرت ازدواج اور ترکہ جیسے معاملات پر جنہیں اسلام کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، سائنس، فلسفہ، تاریخ، اور عمرانیات وغیرہ علوم کے ممتاز مغربی مفکرین کے حوالے سے جوابات دیے ہیں۔ سلیم قدوائی رقمطراز ہیں:

"عبدالماجد دریابادی کی تفسیر قدیم انداز فکر اور جدید طرز تحقیق وتصنیف کے امتزاج کی بہترین مثال ہے۔ یہ جدید طریقہ تصنیف اور اصول تحقیق کے مطابق دور حاضر کے سماجی، سیاسی، مذہبی اور اقتصادی حالات اور معاشرتی زندگی کی پیچیدگیوں اور مختلف عصری علوم وفنون اور افکار وخیالات کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔"(۳۰)

تفسیر القرآن کا برصغیر میں کردار

سرسید احمد خان کی تفسیر برصغیر پاک وہند میں کوئی خاص مقبولیت حاصل نہ کرسکی۔ اس کی وجہ ان کا مذہبی فلسفہ تھا۔ انہوں نے قرآن وسنت کے احکام اور تعلیمات پر مستشرقین کے اعتراضات کو قبول کرتے ہوئے قرآن اور اسلام کی تشریح ایسی کی جو انہیں قابل قبول ہو۔ جیسا کہ فرشتوں کا انکار، وحی الہی کا انکار، واقعہ معراج اور شق صدر کو خواب کہنا، جنوں کے وجود کا انکار، کعبہ کی تقدیس سے انکار، حساب کتاب، میزان اور جنت دوزخ کا انکار اور حضرت عیسی کے بن باپ پیدا ہونے اور زندہ اٹھائے جانے سے انکار۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا علمی وفکری رعب جمانے کی کوشش کی ہو۔ سرسید احمد خان تفسیر القرآن میں جن مذہبی خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے برصغیر کے علماء کو شدید اختلاف تھا۔ غرضیکہ سرسید کے مذہبی خیالات وتعبیرات سے مولانا حالی، شبلی نعمانی اور نواب محسن الملک جیسے ان کے تمام قریبی رفقاء نے سخت اختلاف کرتے ہوئے ان سے اپنی بریت ظاہر کی۔ ان کے مذہبی فلسفوں نے مسلمانوں کے اندر ہلچل پیدا کردی۔ مستشرقین کے خوش ہونے کے علاوہ بہت سے مسلمان بھی اس رو میں بہہ گئے۔ لوگوں نے انہیں ماسونیت کا پیروکار کہا شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:-

ا۔ماسونیت: یہ انسانی عقل کو دین پر حاکم بناتی ہے۔جب ایک فرد اپنے دین میں کوئی ایسی بات دیکھتا ہے جو عقل کے ناموافق ہے تو اس بات کو وہ چھوڑ دیتا ہے اور عقل کو ترجیح دیتا ہے۔

''سرسید نے تفسیر قرآن میں جو طریقہ اختیار کیا تھا،اس کی کئی باتیں برصغیر پاک و ہند بلکہ دوسرے اسلامی ممالک کے علماء اختیار کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ سرسید نے اپنی رائے اور قیاس کے زور سے قرآنی آیات کو نیا مفہوم دے کر ایک ایسی مثال قائم کر دی جس کی پیروی بعضوں نے بری طرح کی ہے اور ہر آیت یا حدیث کی تاویل کر کے حسب خواہش معنی مراد لئے ہیں۔''(۳۱)

سرسید کا تفسیر القرآن میں تمام معجزات اور خلاف عادات سے اور غیب کی باتوں سے انکار کرنا،ایمان بالغیب کی غلط تاویل کرنا اور جنوں سے صحرائی کو مراد لینا وغیرہ اصلاحی نقطہ نظر سے بالکل غلط اور غیر ضروری تھا اور اسلامی نقطہ نظر سے تحریف القرآن اور شدید غلط فہمی۔اس وقت قوم کو اصلاح کی شدید ضرورت تھی اور وہ بھی بحیثیت ایک مسلمان قوم کے،جس کے سارے ڈانڈے قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ملتے ہیں۔ان کے ایسے نظریات کو باطل قرار دینے کے لئے علماء نے خوب زور لگایا اور ثابت بھی کیا۔اگر سید ایسا نہ کرتے تو یقیناً مسلمانوں کی اصلاح اور بھی بہتر ہو سکتی تھی اس کے علاوہ سرسید احمد خاں نے قرآن کے اور مسائل کی تشریح و توضیح میں نمایاں کام کیا ہے۔ یعنی قصص القرآن کو عیسائی غلط مانتے تھے یا سرے سے انکار کرتے تھے۔سرسید نے ایسے قصے کا بائبل میں سراغ لگایا ہے اور قرآن اور بائبل کی تطبیق کی ہے اور جس کا سراغ بائبل سے نہیں ملا اس کا ثبوت اور ذریعوں سے دیا ہے۔ارکان و فرائض اسلام جیسا کہ نماز،روزہ،حج وغیرہ کے مصالح بیان کئے ہیں۔جہاد اسلام کی تشریح ایسی مدلل کی ہے کہ اس پر انکار کے گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔اس طرح مسئلہ تعدد ازدواج ،طلاق،غلامی وغیرہ کی تفسیر بھی شاندار کی ہے۔مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

''اسلام کے ہر طبقہ اور ہر دور میں ایسے آزاد طبع اور روشن ضمیر لوگ ہمیشہ اٹھتے رہے ہیں جنہوں نے تقلید کی بندشوں کو توڑ کر میدان تحقیق میں قدم رکھا ہے۔اور بڑے بڑے متہم بالشان مسائل کے متعلق مذہب جمہور کی غلطیاں ظاہر کی ہیں۔''(۳۲)

تفہیم القرآن کا برصغیر میں کردار

مولانا سید ابوالاعلی مودودی بیسویں صدی کے عظیم مفسر،مفکر اور اصلاح کار ہیں۔آپ نے برصغیر میں احیائے اسلام کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا ہے۔آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اسلام اور قرآن کا آفاقی پیغام تمام انسانیت تک پہنچے۔آپ کثیر التصانیف شخصیت ہیں۔آپ کی تفسیر تفہیم القرآن کو ایک خاص مقام حاصل ہے یہ ان کے مشاہدے،مطالعہ،غور و فکر اور اصلاح امت کے تڑپ کا نچوڑ ہے۔مولانا نے جدت پسندی کو چھوڑ کر قرآن و سنت کی اساس کو مضبوطی سے تھاما۔تفہیم القرآن ایک دعوتی،انقلابی اور تحریکی تفسیر ہے۔قرآن کا حقیقی مدعا اس میں پیش کیا گیا ہے۔عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ باطل افکار کا ابطال،احیائے حیات اسلامی اور تہذیب جدید کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا رد کیا گیا ہے۔مولانا نے کمیونزم،سوشلزم اور الحاد کی مدلل تردید کی ہے۔مولانا نے عقائد،عبادات،اخلاق،معاشرت،معیشت، سیاست،عدالت اور جنگ و صلح جیسے امور پر قرآن و سنت کے مطابق توضیح کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن فرد کے تزکیہ کے ساتھ

ساتھ معاشرے کی اصلاح پر بھی بھرپور توجہ دیتا ہے اس تفسیر میں مولانا نے دعوتی و تحریکی انداز سے لوگوں کی فکری تطہیر کی اور عملی تزکیہ کے ذریعے ان کو منظم کیا۔ آپ نے صبر واستقامت کے ساتھ باطل کے ہر ظلم کو ہنس کر برداشت کیا۔ آپ کا ٹارگٹ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تھا۔ اس طبقے کی اصلاح کے بڑے مثبت نتائج سامنے آئے۔ اس لیے مولانا نے اپنی تفسیر میں احکام کے باب میں مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر فقہائے کرام سے استفادہ کیا ہے۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ نے اس میں توسع اور عدم تشدد کے رجحان کو پیدا کیا ہے آپ نے مغربی فلسفہ، فتنہ قادیانیت اور فتنہ انکار حدیث کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ مولانا مودودی کو علوم اسلامیہ اور علوم جدیدہ دونوں میں عبور حاصل تھا۔ آپ نے قرآن پاک، حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ، علم الکلام، سیاست، معیشت، معاشرت کے علاوہ باطل افکار کی رد میں ایسی ایسی بے مثال کتب تحریر کی ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ سب سے بڑھ کر عصری اسلوب میں تفسیر تفہیم القرآن کا تحریر کرنا ہے۔ جسٹس تنزیل الرحمن لکھتے ہیں: ''میں پورے فہم وایقان سے کہہ سکتا ہوں کہ مولانا مودودی نے یہ تفسیر لکھ کر اسلام کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے اور جدید نسل پر احسان فرمایا ہے۔''(۳۳)

خلاصہ

برصغیر کے علمائے اکرام اور مفسرین یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اسلام کا احیا ایک امر محال نہ ہے۔ یہ بات ماضی میں اسلامی نظام کے عملی نفاذ سے ثابت شدہ ہے کہ جس میں نسل انسانی نے قرآن اور اسلام کی راہنمائی میں حیوانیت، جہالت اور بداخلاقی کو شکست دی۔ اسی طرح اب بھی اسی تاریخی حقیقت کا اعادہ ممکن ہے کیونکہ فطرت میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی یہ جیسی پہلے تھی اب بھی جوں کی توں ہے۔ اسلام جب ظہور پذیر ہوا تو دنیا کی اخلاقی، دینی، معاشرتی و معاشی حالت ویسی ہی پست تھی جیسی کے اس وقت نظر آتی ہے۔ قدیم اور جدید پستیوں میں سوائے مظاہر کے اور کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ اسلام نے جب طاقت پکڑی تو اس نے آتے ہی اپنے زیر اثر دنیا کی حالت میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کو قعر مذلت سے اٹھایا زندگی کو ایک اعلیٰ نصب العین سے روشناس کیا۔ عمل و حرکت سے قوت بخشی۔ جذبہ جہاد بلند کر کے حق و صداقت اور ترقی کی راہ پر گامزن کیا جس سے انسانیت خوشحال ہوئی۔ انہیں اصول معاشرت و معیشت عطا کر کے اعلیٰ و پاکیزہ زندگی عطا کی۔ اسلام اور قرآن کی راہنمائی میں دنیائے اسلام روشنی ہدایت اور ترقی کا منبع بن گئی۔ جس سے ایک طویل عرصے تک انسانیت کسب نور ہدایت کرتی رہی۔ اپنی عظمت و برتری کے اس طویل دور میں دنیائے اسلام مادی، علمی اور معاشرتی و معاشی لحاظ سے کبھی دوسروں سے پیچھے نہیں رہی۔ اس لئے علمائے برصغیر نے اپنی ساری توجہ قرآن پر مرکوز کی۔ تراجم اور تفاسیر کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت و برتری حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ معاشرتی و معاشی سربلندیوں کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے تفاسیر قرآنی نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

References

1. Baryshaighr W. ur.m Wikipedia.org>wiki>.
2. Alusee alama syed Mahmood ruoh l mahani darul ahaya ataras al arabi beirut V.1/4.
3. Atesh durani pakistani ak nazariya ak tahreeq mutaba Aliya lhor, V.15, Sun 1987.
4. Ahmad khan sarsyed asbab bakhawat hind (Mustafai pairs lhor sun N, M) 8.

5. Muhammad akram shaik muoj kusar (Edara sakafat Islamic kalab rod lahor, 1994)5.
6. Riyaz syed hassan Pakistan nagzer tha (shuba tasneef wa taleef tarjoma university Karachi, 1967)22.
7. Muhammad akram shaik muoj kusar (Edara sakafat Islamic kalab rod lahor, 1994)77.
8. Shursh ka shamiri is bazar ma (muqtaba chatan lahor sun N, M) 83.
9. S. N Sen, History of Freedom Movement of India, (Culcutta wiby Eastern Limited 1989) 33
10. Umar saleem taqseem hind ki dastan muhashi kutas abeez (muqtaba Aliya lahor, 1986) 7.
11. Sambhali molana Muhammad burhan al deen mujod zamany kay masail ka sharhi hal (zahid bashir printers lahor 1998) 7.
12. Nadvi abdul qayoom tarikh quran (quran mahal bamokabil molvi musafer khana san N, M) 23.
13. Mustafa doctor Muhammad tahir tarikh tafseer wa asool tafseer (al faisal nashir an ghazni satret lahor 2013) 175.
14. Muhammad akram shaik muoj kusar (Edara sakafat Islamic kalab rod lahor, 1994) 5.
15. Mustafa doctor Muhammad tahir tarikh tafseer wa asool tafseer (al faisal nashir an ghazni street lahor 2013) 174.
16. Arif doctor Mahmood al hassan tazakira qazi sana allah amar tasri (Edara sakafat Islamic kalab rod lahor, 1995) 24.
17. Azad abu al kalam tarjoman al quran (islami academy urdu bazar lahor sun N, M) 15:3.
18. Haqani abdul haq tafseer haqani (al faisal nashir an ghazni street lahor 2008) 5:2.
19. Amar tasree molana sana allah (meer Muhammad kutub khana aram bhag Karachi sun N, M) 16.
20. Azad abu al kalam tarjoman al quran (islami academy urdu bazar lahor sun N, M) 1:39.
21. Mudodi molana abu al ali tafheem al quran (edara tarjoman al quran lahor 2011) 1:6.
22. Zar kani Muhammad abdul azeem manahil al irfan fi alom al quran (darul kutub al almiya 1988) 9:2.
23. Suratul nahal 44:16.
24. Suratul bakara 129:2.
25. Suratul nisa 82:4.
26. Azad abu al kalam tarjoman al quran (islami academy urdu bazar lahor sun N, M) 50.1.
27. Mudodi molana abu al ali islmi nizam zindagi or as kay bunyadi tasurat (Islamic pabli kashanaz lahor 2000) 370.
28. Umar saleem taqseem hind ki dastan muhashi kartas abeez (muqtaba Aliya lahor, 1986) 9.
29. Abdul allah molq bangali musalman ki sad sala jidojahed azadi (majlis tarqi adab lahor 1967) 64.

30. (Muhammad saleem kudwai abdul majid riya abadi sahitiya academy nai dahli, p.88, Sun 1998).
31. (Muhammad akram shaik muj kusar edara sakafat Islamiya lahor p.162 – 163, Sun 1994).
32. Hali altaf Hussain hayat jawed zahid basher printer lahor p.127 Sun 2000.
33. Mujala ain tafheem al quran number p.11, (17 October 1968).